© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمان صاحب کیلانی

بنک کا سود

سود ایک ایسا گناہ ہے۔ جس کی حرمت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (پارہ ۳۔ آیت ۲۷۹-۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ؟ مطلب واضح ہے کہ جو سود خوار ہے وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان ہے وہ سود خوار نہیں ہوسکتا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّبٰوا سَبْعُونَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ۔ (ابن ماجہ بیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کے اگر ستر حصے کیے جائیں تو اس کا کمتر حصہ بھی (گناہ میں) اپنی ماں سے زنا کے برابر ہے۔

پھر اس کی حرمت اور گناہ کی شدت کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے بھی لگا لیجئے:۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے دینے والے اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا یہ کہ سب لوگ (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں

پھر یہ تصریح بھی فرما دی کہ جس معاملے میں سود کا شائبہ تک بھی موجود ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ ایسے شدید احکام کے بعد ایک مسلمان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ سود اور اس کی تمام مشتبہ شکلوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرہیز کرے۔

بنک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ

سود فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کی ضد فارسی میں "زیان" ہے۔ "سود و زیان" نفع و نقصان کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی سود بمعنی فائدہ یا نفع ہے۔ اور یہ لفظ اُردو میں بھی مستعمل ہے۔ عربی میں اس کے لیے ربوٰا اور انگریزی میں انٹرسٹ (INTEREST) کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کمرشل انٹرسٹ بمعنی تجارتی سود ہے مثلاً زید، بکر سے دس ہزار روپے لے کر کاروبار کرتا ہے۔ اور اس کے عوض وہ اسے مقررہ شرح سے نفع دینا طے کرتا ہے۔ تو یہ تجارتی سود یا کمرشل انٹرسٹ ہے۔ اور اگر یہی کام کسی فرد یا ادارہ کے بجائے بنک کرتا ہے۔ تو بنک انٹرسٹ کہلاتا ہے اسے کمرشل انٹرسٹ بھی کہہ دیتے ہیں۔

گو ہم نے اوپر نہایت اختصار سے سود کی حرمت کے متعلق صرف ایک آیت اور حضور اکرمؐ کے ایک دو ارشاد مبارک درج کیے ہیں۔ تاہم یہ سود کی حرمت ثابت کرنے کے لیے بہت ہیں۔ اور نیز یہ ثابت کرنے کے لیے بھی کافی ہیں کہ قرآن میں ربوٰا کا لفظ علی الاطلاق استعمال ہوا ہے جس سے سود کی کوئی بھی قسم مستثنیٰ قرار نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اتنے واضح اور سخت احکام کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک طبقہ تجارتی سود کی اباحت کے لیے کئی طرح کے حیلے بہانے تلاش کر کے دلائل پیش کر رہا ہے۔ آج ہم انہیں دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

کہا یہ جاتا ہے کہ "ربا" ایسے سود کا نام ہے جو کوئی مقروض اپنی بھوک اور احتیاج دور کرنے کی غرض سے کسی مہاجن یا ساہوکار سے قرض لیتا ہے اور سود خوار اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر بھاری شرح سود پر معاملہ کر کے اس پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص احتیاج کے قرض پر سود کو "ربا" کہا جاتا تھا۔ جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔ رہا تجارتی سود تو عہدِ نبوی میں ایسے تجارتی قرضوں کا رواج ہی نہ تھا۔ عرب میں طوائف الملوکی، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں عام ہوتی تھیں، وسائل سفر انتہائی محدود تھے۔ لہٰذا تجارت بھی برائے نام ہوتی تھی۔ اور جب تجارت ہی برائے نام ہو تو تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اندریں حالات دورِ حاضر کا بنک کا سود اس ربا کی تعریف میں کیوں کر آ سکتا ہے۔ جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

مہاجنی سود اور بنک کے سود میں امتیازی فرق کے لیے عموماً درج ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا بالفاظ دیگر اس کی اباحت کے لیے درج ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مہاجنی قرضہ میں مقروض خود مہاجن کے پاس جا کر قرضہ کی درخواست کرتا ہے جبکہ بنک انٹرسٹ کی صورت میں قرض دینے والا خود بنک کے پاس جا کر اپنی رقم پیش کرتا ہے کہ اسے کاروبار میں لگائے اور منافع میں سے اسے بھی "کچھ" دے دے۔ بنک اس قرض دہندہ کو ایک پہلے سے طے شدہ شرح سود ادا کرتا ہے۔

۲۔ صنعت کار یا تاجر جو بنک سے قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بسا اوقات بنک کو خود شرح سود کی پیشکش کرتا ہے۔ بنک کے اس لین دین میں کسی فریق کی مجبوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب کام باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔

۳۔ مہاجنی قرضہ میں شرح سود اتنی بلند ہوتی ہے کہ ایک ضرورت مند مفلس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ تجارتی سود پر تجارت میں نقصان کے احتمال کو سامنے رکھ کر مناسب شرح سود مقرر کی جاتی ہے۔ جو نقصان کی صورت میں بھی قابلِ برداشت ہوتی ہے۔ لہذا بنک انٹرسٹ میں مقروض پر کچھ ظلم نہیں ہوتا۔

۴۔ مہاجنی قرضے کی صورت میں مہاجن کو بعض دفعہ سود تو بجائے خود رہا، اصل بھی وصول نہیں ہوتا۔ جبکہ بنک انٹرسٹ میں بنک اپنے مفادات کا پورا تحفظ کر لیتا ہے۔ بنک زیورات، جنس، خام مال، دیگر اشیاء بطور زرِ رہن رکھ کر اس کا ساٹھ فیصد تک قرضہ دیتا ہے۔ اس طرح بنک بھی نقصان سے محفوظ رہتا اور ظلم سے بچ جاتا ہے۔ رہے نادار لوگ تو بنک انہیں قرضہ دینے سے یکسر انکار کر دیتا ہے۔

۵۔ مہاجنی قرضہ میں نقصان کا پہلو نفع کی نسبت فی الواقع زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک نادار پر ظلم ہوتا ہے۔ جبکہ بنک انٹرسٹ کی صورت میں فریقین سے ہر ایک کے لیے فائدہ تو یقینی ہے اور نقصان کا احتمال بہت کم رہ جاتا ہے۔ لہذا قرآن کریم کے اس اصول وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (شراب اور جوئے سے متعلق) کے مطابق بھی بنک انٹرسٹ کو اس "ربا" سے مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہیے جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

اور اس "استثناء" کی ضرورت یا اضطرار یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام تر ملکی و غیر ملکی تجارت کا انحصار بنک کے سود پر ہے۔ لہذا عصرِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ مندرجہ بالا وجوہات کے پیش نظر ربا کی تعریف میں اجتہاد کر کے مناسب ترمیم کر دی جانی چاہیے تاکہ اسلام ہر زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والا انتظام ثابت ہو سکے۔

یہ ہیں وہ دلائل جن کے پیش نظر "ربا" کی تعریف میں مناسب ترمیم اور اجتہاد کی سفارش کی جاتی ہے، اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو مذکورہ بالا دلائل میں مندرجہ ذیل تنقیح طلب امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ کیا عہدِ نبوی میں عرب میں فی الواقع تجارت نہایت محدود تھی۔

۲۔ ان ایام میں تجارتی قرضوں یا تجارتی سود کا وجود ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

۳۔ کیا شرحِ سود کی کمی یا مناسب شرح حرمتِ سود پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ کہ اسے اباحت کے قریب لے آئے؟

۴۔ کیا فریقین کی رضامندی سود کو جائز بنا سکتی ہے؟

۵۔ کیا فی الواقع حرمتِ سود کی علت "ظلم" ہی ہے؟ اگر فریقین میں سے کسی پر بھی ظلم کا احتمال نہ ہو تو سود کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

۶۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے تحت سود کی تعریف میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس کا نفع نقصان سے زیادہ ہے؟۔

اب ہم ان تنقیحات کو علی الترتیب زیرِ بحث لائیں گے۔

۱۔ عہدِ نبوی میں تجارت

عرب ایک بے آب و گیاہ ملک ہے جس کا بہت تھوڑا رقبہ کاشت کے قابل ہے۔ اور جو کاشت کے قابل ہے اس پر بھی کم ہی توجہ دی جاتی تھی۔ کیونکہ شرفائے عرب زراعت کو کوئی معزز پیشہ تصور نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہاتھ سے کام کرنے یا دستکاری کے کام کو بھی باعثِ عار سمجھتے تھے۔ عرب میں عام لوگوں کا پیشہ تو بھیڑ بکریاں، گائے اور اونٹ پالنا تھا اور شرفائے عرب کا محبوب مشغلہ تجارت ہی تھا۔ البتہ یمن میں اون کاتنے، چادریں اور کمبل بُننے کا کام بھی ہوتا تھا۔ عربوں کو چونکہ فنونِ سپہ گری سے گہری دلچسپی تھی، لہٰذا کہیں کہیں آلاتِ جنگ بھی تیار کیے جاتے تھے۔

نتیجۃً اہلِ عرب کو اشیائے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا سامان باہر سے درآمد کرنا پڑتا تھا۔ بلاشبہ ان دنوں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا دور دورہ تھا اور کسی راستے میں مسافر کا جان و مال محفوظ نہ تھا، مگر یہ تجارت عموماً قافلوں کی شکل میں ہوا کرتی تھی۔ قریشِ مکہ کا تو پاسبانِ حرم ہونے کی وجہ سے بھی احترام کیا جاتا تھا۔ دوسرے قافلے یا تو قریشِ مکہ کے اثر سے فائدہ اٹھاتے یا اپنی حفاظت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامان خود ساتھ لے کر چلتے تھے۔ غیر ملکی قافلوں کو بحفاظت گزارنے کے عوض ان سے ٹیکس بھی لیا جاتا تھا۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔
(سورہ قریش ۱۰۶)

اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا ان کے سفر سے جاڑے میں اور گرمی میں۔ تو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔

ہوتا یہ تھا کہ مکہ میں ہر طبقے کے لوگ اپنا فروختنی سامان اس قافلہ کے حوالے کر دیتے۔ جسے وہ اچھے داموں بیچ کر ادھر سے سامان خرید لاتے تھے۔ اس طرح دوہری تجارت سے انہیں دگنا منافع حاصل ہوتا جو بسا اوقات ۵۰ فیصد تک پہنچ جاتا تھا۔ اہل مکہ کی خوشحالی کا دارومدار اس قافلے کی کامیابی پر منحصر ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعثت سے پہلے مدینہ، بصرہ اور شام کے متعدد تجارتی سفر کئے تھے۔

یہ قافلے کتنے بڑے ہوتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابوسفیان کا وہ قافلۂ تجارت — جو جنگِ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوا — دو ہزار باربردار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ کئی مؤرخوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درآمد برآمد کی کل تجارت ۵۰ لاکھ دینار سالانہ تک ہوتی تھی۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ۴½ ماشہ[1] کے برابر ہے۔ گویا محتاط اندازہ کے مطابق بھی اگر دینار کی قیمت -/۶۰ تصور کر لی جائے تو گویا یہ تجارت ۳ ارب روپے سالانہ تک جا پہنچتی تھی۔

پھر یہ تجارتی قافلے صرف قریش مکہ تک ہی محدود نہ تھے۔ یمنی تاجر مکہ اور مدینہ کے راستے شام تک جاتے تھے۔ مدینہ کے یہودی — جو ایک سرمایہ دار قوم تھی۔ شام سے گندم اور شراب درآمد کرتے تھے۔ علاوہ ازیں غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔ ملک میں کئی جگہ بازار اور منڈیاں لگتیں، جہاں لوگ خرید و فروخت کے لیے جمع ہوتے تھے۔ سوداگروں کے قافلے ایران اور عراق سے تجارتی سامان لے کر آتے اور یہاں کی اشیاء اپنے ممالک میں لے جاتے۔ اس طرح یمن سے بحرِ ہند کے راستے ہندوستان سے عراق کے راستے سے مشرقی ممالک سے اور شام و مصر کے راستے سے افریقہ سے تجارت ہوتی تھی۔ گویا عرب مشرق و

---

[1] زکوٰۃ کے لیے سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے، جسے علماء نے پوری تحقیق کے بعد ۷½ تولے سونا قرار دیا ہے اس لحاظ سے بھی ایک دینار کی قیمت ۴½ ماشے سونے کے برابر ہے۔ اگر ۱۶۰ روپے سونے کا بھاؤ فرض کیا جائے تو دینار ۶۰ روپے کا بنتا ہے۔ حالانکہ سونے کی قیمت آج کل اس سے بھی زیادہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغرب میں بین الاقوامی منڈی بن گیا تھا۔ جس میں شہر مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

پھر احادیث میں تجارت کی جن اقسام کا ذکر ملتا ہے۔ اور جن میں سے بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ کہ ان ایام میں عرب میں تجارت کا کاروبار عروج پر تھا۔ اور تجارت کے سلسلہ میں جو ہدایات اور احکام مسلمان کو دیئے گئے ہیں وہ آج بھی مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ متعدد صحابہ کرام رضؓ کی ہی تجارت کی وجہ سے اس دور میں بھی لکھ پتی بن گئے تھے۔

اندریں حالات یہ مفروضہ ــــ کہ عہدِ نبوی میں تجارت نہایت پُر خطر تھی لہٰذا برائے نام رہ گئی تھی۔ ایسا بے معنی مفروضہ ہے جس کی نہ تاریخ تائید کرتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم۔

۲۔ تجارتی قرضے اور تجارتی سُود

اس بحث کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے :۔

۱۔ عہدِ نبوی میں اندرونِ عرب تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا وجود

۲۔ عہدِ نبویؐ میں ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سُود

۳۔ آیا ربا کا لفظ قرآن کریم یا لغوی اعتبار سے تجارتی سود کا بھی احاطہ کرتا ہے یا نہیں ؟

۱۔ عرب میں تجارتی سُود

عہدِ نبوی میں تجارتی قرضوں پر سُود لینے کا رواج موجود تھا۔ جس کا ذکر تفاسیر میں ملتا ہے۔ صاحب تفسیر خازن آیت وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا۔ (۲/۲۷۸) کے تحت لکھتے ہیں۔

حضرت عباسؓ اور خالد بن ولیدؓ نے زمانۂ جاہلیت میں شراکت کی تھی اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ قبیلہ بنو عمیر (جو قبیلہ ثقیف (طائف) سے تعلق رکھتا تھا) کے لوگوں کو کاروبار کے لیے سودی قرض دیتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کی بہت بڑی رقم واجب الوصول تھی جو انھوں نے چھوڑ دی۔ اور اس بات کا اعلان خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ان الفاظ میں فرمایا :۔

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے ان خاندان کا سود یعنی عباس بن عبد المطلب کا سُود باطل کرتا ہوں" (بہت سی کتب احادیث)

یہ واضح رہے۔ کہ آیت بالا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چار ماہ بیشتر نازل ہوئی تھی۔ گویا اس آیت کے نزول اور حجۃ الوداع کا زمانہ تقریباً ایک ہی تھا۔

جلیل القدر مفسر علامہ ابن جریر طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر یوں رقمطراز ہیں :۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کَانَ رِبًا یَتَبَایَعُوْنَ بِہٖ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ۔ یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

۲۔ ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سود

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب زمانے میں قیصرِ روم جسٹینین نے جس کی ذات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ تمام بازنطینی سلطنت میں از روئے قانون زمینداروں اور کاشت کاروں کے قرضوں پر ۴ فیصد تجارتی اور صنعتی قرضوں پر ۸ فیصد اور بحری تجارت کے قرضوں پر ۱۲ فیصد شرح سود مقرر کی تھی۔ یہ قانون جسٹینین کے بعد بھی ایک مدت تک بازنطینی سلطنت میں رائج رہا۔[۱]

روم کی سلطنت عرب کی ہمسایہ مملکت تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ یہاں تجارتی سود اپنی تمام شکلوں میں رائج تھا۔ اسی طرح دیگر ممالک میں بھی تجارتی سود کے شواہد مل جاتے ہیں جو بوجہ طوالت چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں، کہ آس پاس کے ملکوں سے اہلِ عرب کے گہرے تجارتی روابط اور میل جول تھا۔ اندریں حالات یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ اہلِ عرب تجارتی سود سے ناواقف ہوں۔

اگر ہم بفرضِ محال تجارتی سود کے حامیوں کے خیال کے مطابق یہ فرض کر بھی لیں کہ اہلِ عرب اس دور میں تجارتی سود سے ناآشنا تھے۔ تو بھی اس سے سود کی اباحت کے متعلق کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ایک طرف تو ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ اسلام کے احکام ابدی اور تمام دنیا کے لیے ہیں، دوسری طرف ہم صرف عرب کے ایک مخصوص دور پر نظر رکھ کر سود کے احکام کو صرف اس دور اور اس علاقے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا (معاذاللہ) اللہ تعالےٰ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ اگر عرب میں نہیں تو ہمسایہ ملک میں کس کس قسم کا سود رائج ہے یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ کیا یہی علم و حکمتِ خداوندی ہے؟ سود کے یہ بالاطلاق خدائی احکام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سود کی تمام مشتبہہ شکلوں سے پرہیز کو لازم قرار دینا کیا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ سود کی کوئی بھی

---

[۱] "سود" از مولانا مودودی صاحب ج ص ۲۸۷ بحوالہ:
(۱) CIVILISATION (AS Ko...) از وِل ڈرانٹ ج ۴ ص ۱۲۰، ۳۲۶
(۲) زوال و سقوط دولت روم از گبن ج ۳ ص ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکل کسی بھی دور میں حلال قرار نہیں دی جا سکتی؟

۳- تجارتی سود کی حرمت قرآن کریم سے

اسلام نے تجارتی اور شخصی قرضوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ضرور اس کی وضاحت کر دی جاتی۔ اس کی نگاہ میں اصل سے ایک مقررہ شرح کے مطابق جو کچھ بھی زائد لیا جائے اور جس طرح بھی لیا جائے وہ "ربا" ہی ہے۔ ربا کے لغوی معنی بھی اسی مخصوص اضافہ کے ہیں جو اصل سے زائد لیا جاتا ہے۔ اور شخصی اور تجارتی قرضوں میں فرق کرنا گویا:-

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (2/85) — کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کر دیتے ہو۔

کے مترادف ہے۔ ربا کو مہاجنی قرضے سے مختص کرنا اور سود کا الگ الگ مفہوم مقرر کرنا موجودہ دور کا اختراع ہے۔ جس کا مسلمانوں کی طویل تاریخ میں کہیں سراغ نہیں ملتا۔

تجارتی سود کے متعلق الگ احکام یا الگ لعنت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلام تجارتی قرضوں اور سود کی الگ نوعیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ سود کے احکام ہر قسم قرضوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان احکامات میں جہاں شخصی حاجات کے سود کی حرمت کا پتہ چلتا ہے وہاں تجارتی سود کی حرمت پر بھی واضح دلائل موجود ہیں۔ مثلاً

پہلی دلیل:- خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (2/275) — اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہاں خرید و فروخت یا تجارت کے مقابلے میں لفظ "ربا" کا استعمال تجارتی سود کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ کیوں جہاں شخصی حاجات کے قرضوں کا ذکر مقصود تھا وہاں قرآن کریم نے ربا کے مقابلے میں صدقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ارشادِ باری ہے:-

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (2/276) — اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرتا اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔

دوسری دلیل:- قرآن کریم کے اس ارشاد:-

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (2/279) — پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے راس المال ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی تجارتی قرضوں کے متعلق واضح اشارہ ہے۔ کیونکہ راس المال (جس کا معنی سرمایہ ہے) کا اطلاق عموماً تجارت پر لگائی ہوئی رقم کے لیے ہوتا ہے۔

تیسری دلیل:۔ قرض کے لیے عربی لغت میں دو الفاظ ملتے ہیں۔ قرض اور دَین۔ قرض کا مفہوم عام فہم ہے اور عام طور پر شخصی قرضوں کے لیے آتا ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:۔

اِذَا اَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا یَاْخُذْ هَدِیَّةً۔ (بخاری)

جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو قرض دے تو پھر اس سے ہدیہ قبول نہ کرے۔

جبکہ دَین کا لفظ ہر قسم کے لین دین پر محیط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ ذمہ داری یا انگریزی میں LIABILITY (ادائیگی کی ذمہ داری) ہوگا۔ جس میں کاروباری قرضے بھی شامل ہوتے ہیں۔

ارشادِ باری ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (۲/۲۸۲)

اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اور ربا کی تعریف "الزیادة فی الدین" سے کی جاتی ہے نہ کہ "الزیادة فی القرض" سے لہذا از روئے قرآن و لغت بھی تجارتی سود کو "ربا" سے خارج کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

۳۔ شرحِ سود میں کمی

تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل کہ اس کی شرح نقصان کے احتمال کو مدنظر رکھ کر مناسب اور قابل برداشت مقرر کی جاتی ہے کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے:۔

اولاً یہ کہ آج تک مناسب اور معقول شرح سود کا تعین نہیں ہو سکا۔ کبھی تو یہ شرح ۲ فیصد بھی نامناسب اور غیر معقول قرار دی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے لگ بھگ زمانے ریزرو بنک آف انڈیا ڈسکونٹ ریٹ مقرر ہوا اور یہی شرح دوران جنگ قائم رہی۔ پھر پونے تین فیصد پر حکومت ہند کو قرضے ملتے رہے۔ اور کبھی یہ شرح ۹ فیصد بھی مناسب اور معقول سمجھ لی جاتی ہے۔ (اشتہار انوسٹمنٹ بنک نوائے وقت ۲/۱۱) شرح سود کی مناسب تعین نہ ہوسکنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی تزلزل اور کمزور ہے۔ مناسب اور معقول شرح سود کی تعین تو صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والا اس رقم سے کتنا یقینی فائدہ حاصل کرے گا۔ اور اس میں سے قرض دینے والے کا معقول حصہ کیا ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والے کو اس مقررہ مدت میں کتنا فائدہ ہوگا یا کچھ فائدہ ہوگا بھی یا نہیں ؟ تو پھر معقول شرح سود کا تعین کیسے ممکن ہے۔ بلکہ اس سے بھی ذرا آگے بڑھیں اور شرح سود کے بجائے نفس سود اور اس کے جواز پر غور کریں کہ سود آخر کس چیز کا معاوضہ ہے۔ تو اس اہم مسئلہ پر معیشت دانوں کے جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شاہد ہی علم معاشیات کے دوسرے مسئلے پر پائے جاتے ہوں۔

ثانیاً یہ کہ ایک ہی ملک اور ایک ہی وقت میں بنکوں کی شرح سود میں انتہائی تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً آج کل پاکستان کے سٹیٹ بنک نے عام بنکوں کو قرض دینے کی شرح ۱۰ فیصد مقرر کر رکھی ہے۔ اب عام بنک کاروباری حضرات کو ۱۶٪ شرح پر قرض دیتے ہیں* پھر حکومت خود عوام سے کاروبار کے لیے جو قرضے لیتی ہے تو یہ شرح دس سال کے قرض کے لیے ۲۹ فیصد ہے۔ اور رقم دس سال میں چار گنا ہو جاتی ہے۔ اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ اگر یہ سب کچھ مناسب شرح ہے تو نامناسب کیا ہو سکتی ہے ؟ اور اگر ایسے قرض لے کر تجارت کی جائے جہاں نقصان کے احتمال بھی موجود ہیں۔ تو گرانیٔ اشیاء کا کیا عالم ہوگا۔

ثالثاً یہ بات قابل غور ہے۔ کہ اگر بالفرض شرح سود مناسب حد تک کم اور معقول ہو تو کیا حرمتِ سود پر اثر انداز ہو بھی سکتی ہے یا نہیں ؟ اور حقیقتاً یہی اصل مبحث ہے۔ تو ہمارے خیال میں شرح سود ایک فیصد ہو یا ۵۰ فیصد شریعت کی نگاہ میں ایک ہی جیسا جرم ہے۔ شراب ایک قطرہ بھی ویسے ہی حرام ہے۔ جیسے ایک چھلکتا جام۔ کیونکہ شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ :

> "حرام چیز کی قلیل ترین مقدار بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے اس کی کثیر مقدار۔ للذا شرح سود کی کمی یا معقولیت کی بنا پر سود کی اباحت کے لیے راستہ ہموار کرنا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے "

۴۔ فریقین کی رضامندی

فریقین کی رضامندی کی شرط حلال چیزوں میں ہوا کرتی ہے جیسے تجارت یا نکاح وغیرہ۔ حرام چیزوں اور معاہدات میں فریقین کی رضامندی کی شرط ہی سرے سے غلط اور باطل ہے۔ فریقین کی رضامندی زنا یا جوئے کو جائز نہیں بنا سکتی۔ حالانکہ یہ دونوں کام بھی لبا اوقات باہمی رضامندی ہی سے طے پاتے ہیں۔ پھر آخر سود جیسی حرام اور مکروہ چیز کو لوگوں کی مرضی یا فریقین کی رضامندی پر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اسی طرح خواہ سود لینے والا شرح سود کی تعین کرے یا سود دینے والا اس سے بھی نفس سود کی حرمت

* جو سود در سود کے چکر میں ۱۹ فیصد سالانہ اور بعض حالتوں میں اس سے بھی زیادہ بن جاتی ہے یہ مناسب شرح سود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سود دینے والا کبھی سود دینے پر رضامند نہیں ہوا کرتا۔ اس کی رضامندی نہیں ہوتی بلکہ اضطرار ہوتا ہے اگر اسے کم شرح سود پر قرضہ مہیا ہو سکے یا کہیں سے قرض حسنہ ملنے کی توقع ہو تو وہ کبھی یہ سودی قرض لینے پر تیار نہ ہوگا۔ سودی معاہدات میں رضامندی کا جتنا پہلو ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل تاریخی واقعہ سے بخوبی ہو سکے گا۔

دوسری جنگ عظیم کی بات ہے کہ انگلستان نے امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ کیا جو (BRITTONWCOD AGREEMENT) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ مشہور ماہر معاشیات برطانیہ لارڈ کینز (KEENS) کی معرفت طے پایا تھا۔ انگلستان یہ چاہتا تھا کہ اس کا خوشحال دوست ملک امریکہ، جو اس لڑائی میں اس کا رفیق تھا اُسے بلاسود قرض دے۔ لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔ انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہو گیا کہ سود دینا قبول کرے۔ اس کا جو اثر انگریز قوم پر مرتب ہوا وہ بھی سن لیجئے:۔

لارڈ کینز، جنھوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاہدہ کیا تھا، جب اپنے مشن کو پورا کر کے پلٹے تو انھوں نے برطانوی دارالامراء میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلاسود قرض دینا گوارا نہ کیا۔"

مسٹر چرچل جیسے زبردست امریکہ پسند شخص نے کہا کہ "یہ بنئے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ مجھے اس کی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے۔"

اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے کہا کہ "یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں ہماری ان قربانیوں اور جفاکشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقاصد کے لیے برداشت کیں۔"

اب بنک کے سود کی طرف آئیے اور غور فرمائیے کہ جو لوگ بنک سے سودی قرضے حاصل کرتے ہیں تو کیا انہیں باہمی رضامندی کا نام دینا مناسب ہے، یا اضطراری معاہدے کا۔ اور ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے بیشتر معاہدے اسی اضطراری نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو بنک میں سود کے لالچ سے روپیہ جمع کراتے ہیں، ان کی کیفیت اضطراری نہ سہی وہ تو سود کے معاشی اور معاشرتی نقصانات کو آگے منتقل کر دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ توخیر ایک ضمنی سی بحث تھی کہ سودی معاملات میں صرف رضامندی کا نہیں بلکہ اضطرار کا پہلو بھی شامل ہے۔ تاہم اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر فریقین کی رضامندی بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو بھی سود کی حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

۵۔ ربا اور ظلم

تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل بڑے شدومد سے پیش کی جاتی ہے، کہ یہ معاہدات چونکہ نہایت معقول شرح پر باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔ اور ان میں کسی فریق پر ظلم بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن کریم کے الفاظ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ کے مطابق یہ سود اس ربا میں کیسے آسکتا ہے۔ جس کی بنیاد ظلم پر ہوتی ہے۔ گویا حرمتِ سود کی علت ظلم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ظلم سود کی حرمت کا بنیادی سبب نہیں ہے۔ آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ کہ یہ الفاظ سودی معاملات اور معاہدات کو ختم کرنے کی ایک احسن صورت پیش کرتے ہیں۔ یعنی نہ تو مقروض قرض خواہ کی اصل رقم بھی دبا کر اس پر ظلم کرے اور قرض خواہ مقروض کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اصل کے علاوہ اس پر سود کا بوجھ لاد دے۔ ان الفاظ کا اطلاق ہمارے ہاں اس وقت ہوگا۔ جب ہم معاشرہ سے سود کو ختم کریں گے۔

سود کی حرمت کا بنیادی سبب ظلم نہیں، بلکہ بیٹھے بٹھائے اپنے مال میں اضافہ کی وہ ہوس ہے جس سے ایک سرمایہ دار اپنی فاضل دولت میں طے شدہ منافع کی ضمانت سے یقینی اضافہ چاہتا ہے، اور جس سے زرپرستی، تنگ دلی اور قساوت جیسے اخلاق رذیلہ جنم لیتے ہیں۔ سود کے متعلق سب سے پہلی آیت جو کہ مکی دور میں نازل ہوئی اس میں اسی بنیادی سبب کی پوری وضاحت ملتی ہے۔

ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ ۔ (۳۰-۲۹)

اور جو رقم تم سود پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال سے بڑھے تو یہ مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

سرمایہ دار جب اپنی فاضل رقم سود کی راہ میں ڈال دیتا ہے۔ تو وہ رقم لوگوں کے گھروں میں پہنچ پہنچ کر ان کی دولت بھی سرمایہ دار کے ہاں پہنچا دیتی ہے سرمایہ دار اور ساہوکار پہلے سے زیادہ سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔ اور نادار اور ضرورت مند لوگ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح دولت کی تقسیم کی ناہمواری بڑھ جاتی ہے۔ جو طبقاتی تقسیم معاشرہ کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ چیز بالآخر معاشرے میں بگاڑ اور تباہی کا سبب بنے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ہم اس معاملہ کا دوسرا پہلو لیتے ہیں اور بفرض محال یہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ حرمتِ سود کا بنیادی سبب ظلم ہی ہے جیسا کہ ہمارے دوست کہتے ہیں کہ تجارتی سود میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ لیکن اصل مظلوم تو معاشرہ ہے جو تجارتی قرضوں سے پیدا ہونے والی گرانی کی چکی میں پستا رہتا ہے۔ معاشرے میں اس ظلم کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ قرض خواہ پر یا مقروض پر؟

۶۔ ربا میں نفع و نقصان کا تقابل

ایسے شرعی احکام ہیں، جو نص قطعی سے ثابت ہوں، نفع نقصان کا تقابل کرنا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں۔ انسانی عقل کسی چیز کے نفع و نقصان کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ انسانی عقل کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کا بھی پوری طرح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (۴/۱۱)

تمہارے باپ ہوں یا بیٹے تمہیں خبر نہیں کہ کون ان سے نفع کے لحاظ سے تمہارے قریب تر ہے۔

آپ ایک شرابی سے شراب کے نفع و نقصان کے متعلق پوچھئے تو وہ اس کے فوائد ہی بتلائے گا۔ شاید ہی کسی ایک آدھ نقصان کی طرف اشارہ کرے۔

ایک سینما کے رسیا سے سینما بینی کے متعلق پوچھ دیکھئے تو شاید وہ اس کے نقصانات تک کا ذکر بھی گوارا نہ کرے۔ اسی طرح سود خوار یا سود کے حامی سود کے فوائد تو بہت بتلا سکتے ہیں۔ لیکن نقصانات کی طرف ان کا خیال تک بھی نہیں جاتا۔ تو کیا کسی کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی چیز میں نقصان سے فائدہ زیادہ ثابت کر سکے تو وہ شرعی احکام میں اجتہادی ترمیم کی سفارش کر دے۔

شراب اور جوئے سے متعلق قرآن کریم میں جو نفع و نقصان کا تقابل کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔ جو فریق نہیں بلکہ اس کی نظر سب نوع انسانی پر یکساں ہے اسے شرابیوں اور جواریوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا۔ پھر سود کے حامیوں کو اس تقابل کا حق کیوں کر دیا جا سکتا ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "شراب کی علتِ حرمت نشہ ہے" لیکن اس کے باوجود فقہاء نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ بلکہ صرف ان نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جن کا ضرر واقعی نفع سے زیادہ ہو۔" اور اس بات سے مطلوب یہ چیز ہے کہ سود کی کوئی نرم سی شکل (جیسے بنک کا سود)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں نفع کا پہلو ضرر سے زیادہ ہو۔ اس کو حرام قرار نہ دینا چاہیے۔

بات سیدھی سی تھی۔ لیکن اس میں خواہ مخواہ الجھاؤ پیدا کر دیا گیا ہے شریعت نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی کُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ اور مُسکر ایسے نشہ کو جو ایک عام آدمی کے حواس پر اثر انداز ہو کر انہیں مختل کر دے۔ جو چیزیں ایسا اثر پیدا نہیں کرتیں وُہ مُسکر یا نشہ آور کی تعریف میں نہیں آتیں۔ لہٰذا وہ حرام بھی نہیں ہیں۔ ایسی چیزوں میں نفع و نقصان کے تقابل کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ ربا کی تحریف میں اجتہاد

مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر ربا کی تعریف میں اجتہاد کی جو سفارش کی جاتی ہے۔ ہم اس سے معذرت ہی چاہیں گے۔ اجتہاد کی ضرورت ہو یا اس سے کسی بگاڑ کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے دوران چوری کی حد ساقط کر دی۔ یا حج کا سفر پُرخطر ہونے کے باعث کسی سال حج کو ساقط کر دیا جائے۔ اور یہ محض وقتی تبدیلیاں ہوتی ہیں دائمی نہیں ہوتیں۔ لیکن سُود کے معاملے میں ایسی کوئی مجبوری درپیش نہیں ہے۔ سُود خوار کو کوئی ایسی مجبوری نہیں کہ وہ سُود پر قرض دے۔ وہ تو اس اپنی ہوسِ زر پرستی کی تسکین و تکمیل کرتا ہے۔ تجارتی قرضوں کی صورت میں بھی شریعت نے بصورتِ مضاربت متبادل حل پیش کر دیا ہے۔ شخصی حاجات کے قرضوں کے لیے قرضِ حسنہ صدقات اور نظامِ زکوٰۃ کا حل پیش کرتا ہے۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت میں بھی کوئی ایسی مجبوری نہیں جس کا حل شریعت میں موجود نہ ہو۔[1] پھر آخر کس شرعی عذر کی بنا پر ایک قطعی حرام چیز کے لیے اباحت کی راہیں تلاش کی جائیں۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو یہ اجتہاد نہیں بلکہ دین میں تحریف ہو گی۔ جو اسلامی معیشت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے مترادف ہو گی۔ اجتہاد سے مقصود اگر حکم منصوص علیہ میں تغیر و تبدل ہو تو اسے اجتہاد کا نام دینا ہی غلط ہے بلکہ اسے تحریف و تبدیل یا مداخلت فی الدین کا نام دیا جائے گا۔

ہمارے دوست جب اجتہاد کا ذکر کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ کے گیارہ سالہ دورِ حکومت کے کئی واقعات بطورِ شہادت پیش کر دیتے ہیں۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فی الواقع ایک عظیم مفکر، بہت بڑے سیاستدان، صاحبِ بصیرت اور اسلام کے انتہائی دلدادہ تھے۔ حالات کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد یا قانون میں لچک پیدا کر لیتے تھے۔ ہمیں حیرت تو اس بات پر ہے

---

[1] یہ سب مباحث ہم کسی دوسرے مضمون میں پیش کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حضرت عمرؓ کے گیارہ سالہ تحقیق اور حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر سود کے متعلق جو فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ وہ ان دوستوں کے لیے کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

إِنَّ آيَةَ الرِّبٰوا مِنْ آخِرِ مَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اَنْ يُّبَيِّنَهُ لَنَا فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ۔

آیت ربا قرآن کی ان آیات سے ہے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا پیشتر اس کے کہ تمام احکام ہم پر واضح فرماتے لہذا تم لوگ سود کو بھی اور ہر اس چیز کو بھی چھوڑ دو جس میں سود کا شائبہ ہو۔

غور فرمائیے اگر تجارتی سود میں کچھ بھی اجتہاد کی گنجائش ہوتی تو حضرت عمرؓ ضرور ایسا کرتے۔ تجارتی سود کی نظیریں عرب اور ہمسایہ ممالک میں سب جگہ اپنی ارتقا کی شکل میں موجود تھیں۔ تجارتی سود کے نفع و نقصان کے تمام پہلو بھی سامنے آچکے تھے سود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن عملاً کالعدم قرار دیا۔ اس کے بعد آپ چار ماہ اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران حضرت عمرؓ نے آپ کے رویہ میں سود کے بارے میں کوئی لچک نہیں دیکھی۔ بنابریں آپ نے اجتہاد کرنے کے بجائے دوسروں کو بھی ایسا اجتہاد کرنے سے روک دیا اور فتویٰ صادر فرمادیا۔ کہ سود اور اس کی تمام تر مشتبہ شکلوں کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ اور جو علاقے بھی آپ فتح کرتے رہے وہاں سے سودی نظام کو یکسر ختم کر کے اس کی جگہ نظام زکوٰۃ اور بیت المال کی داغ بیل ڈال دی۔

ضروری تصحیح

گذشتہ شمارہ میں جناب طالب ہاشمی صاحب کا مضمون بعنوان "عہد رسالت کی بیترہ مؤمنات" میں تیسرے نمبر پر مذکورہ صحابیہ کا نام غلطی سے حضرت حبتہ رضؓ کی بجائے حضرت حبشہ لکھا گیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ جہاں حضرت حبشہ لکھا ہوا ہے وہاں حضرت حبتہ رضؓ پڑھا جائے۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com